PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی وشرعی جرم ہے۔

PVL

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکایات

(بچوں کیلئے سبق آموز حکایتیں)

مرتضیٰ اشعر

فکرِ نو پبلی کیشنز پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضابطہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام : حکایات
مصنف: مرتضیٰ اشعر
اشاعت دوم: 2004ء
سرِ ورق: خیزران
ناشر: فکرِ نو پبلی کیشنز پاکستان
طابع: ایم۔ بی پرنٹرز
قیمت: -/35 روپے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتساب

اپنی پیاری بیٹی

حمنہ اشعر

کے نام!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترتیب

1-	برکت	8
2-	حسنِ سلوک	11
3-	دیانت	13
4-	حاضر جوابی	15
5-	سچائی	18
6-	ذہانت	20
7-	عظیم حکمران	22
8-	نیت	24
9-	برتری	26
10-	دانائی	28
11-	اندھا فقیر	30
12-	توبہ	32
13-	احساس	34
14-	مشورہ	36

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش لفظ

مرتضٰی اشعرؔ کو میں اس کے بچپن سے جانتا ہوں۔اب یہ بڑا ہو گیا ہے اس لئے بڑوں کے لئے ادب تخلیق کر رہا ہے حالانکہ اس نے بچوں کے ادب سے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا۔لیکن بڑا ہونے کے باوجود اس نے اپنے بچپن کو نہیں بھلایا۔کچھ عرصہ قبل اس نے پہلی بار ملتان سے بچوں کا رسالہ ''عظیم پاکستان'' بھی نکالا تھا،بچوں کے ادب کی تخلیق اور اس کی ترویج میں مرتضٰی اشعر کی کاوشات سراہنے کے قابل ہیں۔میں شاید یوں کہنا چاہتا ہوں کہ جب یہ بچہ تھا تو بھی اس کے تخیل کی پرواز بڑوں جیسی تھی،اب بڑا ہو کر بھی یہ بچپن اور بچوں کے بارے میں سوچتا ہے

بچوں کا ادب کوئی بچوں کا کھیل نہیں،اس کی تخلیق کے لئے ایک بڑے ادیب کی گہری بصیرت درکار ہے،جو بچوں کی ذہنی سطح تک آئے اور زبان کا بھی خاص خیال رکھے۔اسی لئے بہت سے بڑے (ادیب) اس کام سے دور رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بڑوں کے ادب کی نسبت بچوں کے ادب پر ہمارے ہاں بہت کم کام ہوا،حالانکہ میں سمجھتا ہوں بچوں کی تربیت کے لئے ہمیں اچھے ادب کی اشد ضرورت ہے لیکن اس طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرتضیٰ اشعؔر نے ''حکایات'' کی شکل میں بچوں کے لئے ایک خوبصورت اور اہم کتاب دی ہے، جس میں زبان کا خیال بھی رکھا گیا ہے اور اخلاق کا بھی۔ بچوں کی اخلاقی تربیت، اپنے شاندار ماضی، مشاہیر اور تاریخ سے روشناسی کے لئے میں سمجھتا ہوں اس قسم کی کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔ دوسرے ادیبوں کو بھی مرتضیٰ اشعؔر کی تقلید کرتے ہوئے اپنے مستقبل (بچوں) کے بارے میں اپنے قلم کو حرکت میں لانا چاہیے۔

مظہر کلیم
(ایم۔اے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکایات بارے

یہ کتاب ''حکایات'' میں نے بچوں کے لئے آسان اردو میں ایک مقصدیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے لکھی ہے۔ہم الحمدللہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کا ماضی بہت تابناک ہے لیکن ہماری نئی نسل اپنے تابناک ماضی سے روشناس نہیں ہے۔ ہماری یہ نئی پود نیوٹن، مائیکل جیکسن، برین لارا اور گوونڈا کو ہیرو تصور کرتی ہے حالانکہ تاریخ ہمارے اسلاف کے سنہرے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔تو اب ضرورت ہے اس امر کی کہ ان نونہالوں کو مسلمان ہیروز اور ان کے کارناموں سے متعارف کرایا جائے تا کہ وہ ان شخصیات کو سامنے رکھ کر اپنی شخصیت اور کردار کی تشکیل کر سکیں۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب آنحضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور ہمارے اسلاف اس نسلِ نو کے آئیڈیل ہونگے۔

میں نے ''حکایات'' میں مسلمان شخصیات کی زندگی کے سچے واقعات کو موضوع بنایا ہے۔اگر میری اس کوشش سے چند معصوم ذہن بھی فکری درس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں اسے اپنی کامیابی سمجھوں گا۔

مرتضیٰ اشعر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برکت

یہ آنحضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کا واقعہ ہے کہ عرب میں سخت قحط پڑا۔لوگ بھوک سے مرنے لگے۔۔زمین پانی کی ایک ایک بوند کوترس گئی۔درخت مرجھا گئے۔کھیت کھلیان اُجڑ گئے۔انسان تو کیا حیوانوں کی بھی بھوک اور پیاس سے بُری حالت تھی۔بنوسعد کا قبیلہ مکہ معظّمہ سے کئی فرلانگ کے فاصلے پرایک جنگل کے قریب آباد تھا۔اس قبیلے کےلوگ مویشی پال کر گذر بسر کرتے تھے۔جب قحط پڑا تو بنوسعد کا قبیلہ ہی سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ جب بارش نہ ہوئی تو کھیت سوکھ گئے،فصلیں برباد ہوگئیں،انسانوں اورحیوانوں کوخوراک نہ ملی اور یوں جاندار بھوک سے مرنے لگے۔

اس زمانے میں عرب میں یہ رسم تھی کہ دیہاتی عورتیں امراء کے بچوں کو پرورش کی غرض سے لےلیتیں اور جب بچہ چار پانچ سال کا ہوجاتا تو اسے والدین کے حوالے کردیتیں اور اس خدمت کے صلے میں بچے کے والدین سے انہیں انعام واکرام ملتا۔جب بنوسعد کی عورتیں قحط سے تنگ آگئیں تو وہ ایک قافلے کی شکل میں مکہ کی طرف روانہ ہوئیں تاکہ پرورش کیلئے مکہ کے سرداروں کے بچے حاصل کرسکیں۔اس قافلے میں ایک عورت بھی شامل تھی جس کا نام حلیمہ سعدیہؓ تھا۔وہ ایک دُبلی پتلی اونٹنی پرسوار تھیں۔یہ اونٹنی بھوک سے اسقدر کمزور ہوچکی تھی کہ اس کے لئے چلنا بھی محال تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ حلیمہ سعدیہؓ اپنی اونٹنی کی سُست رفتاری کے سبب قافلے سے بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے رہ گئیں اور مکہ معظّمہ میں دوسری عورتوں کی نسبت بہت دیر سے پہنچیں۔اسی لئے دوسری عورتوں نے ان سے پہلے مکہ پہنچ کر امیر لوگوں کے بچے پرورش کیلئے حاصل کر لئے۔جب حلیمہ سعدیہ ؓ پہنچی تو مکہ میں کوئی بھی امیر بچہ نہ رہا۔بے چاری حلیمہ سعدیہ ؓ جس دروازے پر دستک دیتیں ،انہیں مایوسی کا سامنا ہوتا۔پریشانی کے عالم میں مکے کی گلیوں میں اپنی قسمت آزماتے آزماتے حلیمہ سعدیہ کی ملاقات آنحضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب سے ہوئی۔انہوں نے حلیمہ سعدیہؓ سے ان کا نام اور خاندان کے بارے میں پوچھا۔نام سُن کر حضرت عبدالمطلب نے دل میں سوچا کہ یہ عورت یقیناً اپنے نام کی طرح نیک دل ہوگی۔چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے حلیمہ سعدیہؓ سے کہا ''کیا تو میرے یتیم پوتے کی پرورش کرے گی،کیا تو اسے دودھ پلائے گی؟''۔حلیمہ سعدیہؓ نے عرض کی حضور کیوں نہیں۔آپ اپنا پوتا میرے حوالے کریں میں اس کی بہتر پرورش کروں گی۔''

حضرت عبدالمطلب بڑے خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے کئی عورتوں کو اپنے پوتے کی پرورش کی ذمہ داری سونپنی چاہی تو انہوں نے اس خیال سے صاف انکار کردیا کہ بچہ یتیم ہے شاید انہیں ان کی خدمت کا صحیح معاوضہ نہ ملے۔چنانچہ حضرت عبدالمطلب حلیمہ سعدیہؓ کو اپنے گھر لے گئے اور ایک بہت خوبصورت بچے کو جو اس وقت پنگھوڑے میں سورہا تھا پرورش کی غرض سے حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے کردیا۔جب حلیمہ سعدیہؓ اس بچے کو لینے کیلئے آگے بڑھیں تو انہیں محسوس ہوا جیسے اچانک کمرے میں ایک نور سا پھیل گیا ہو۔وہ بچے کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔حلیمہ سعدیہؓ نے جیسے ہی بچے کو گود میں اٹھایا تو اس نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔حلیمہ سعدیہؓ نے بچے کی پیشانی پر پیار کیا اور سینے سے لگالیا۔پھر وہ اس بچے کو ساتھ لے کر اپنے قبیلے لوٹ آئیں۔حلیمہ سعدیہؓ جان چکی تھیں کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔چنانچہ انہوں نے اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی کہ بچہ یتیم ہے اور اس کی پرورش کا مناسب معاوضہ نہیں ملے گا۔جب حلیمہ سعدیہؓ اس بچے کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ان کے شوہر اس بات پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سخت ناراض ہوئے کہ حلیمہؓ ایک یتیم بچے کو لیکر کیوں آئیں ہیں لیکن حلیمہ سعدیہؓ نے اپنے شوہر کو بتایا یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اتنے میں دودھ دوہنے کا وقت ہو گیا حلیمہؓ جانتی تھیں کہ ان کی اونٹنی بہت کمزور ہے اور بھوک کی وجہ سے اب اتنا دودھ بھی نہیں دیتی کہ اس کے بچوں کا گذارا ہو سکے لیکن اس دن جب حلیمہ نے اونٹنی کا دودھ دوہنا شروع کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنا دودھ ہے کہ برتن بھر گئے اور دودھ ہے کہ پھر بھی ختم نہیں ہو رہا۔ حلیمہ سعدیہؓ کے شوہر نے جب یہ معجزہ دیکھا تو بے اختیار کہنے لگے حلیمہؓ تو سچ کہتی تھی کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ یہ بڑی برکتوں والا بچہ ہے۔

اس میں کیا شبہ تھا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر رحمت اللعالمین کہلایا۔ جس نے پوری دنیا میں خدا کے دین کو پھیلایا اور جو پوری دنیا کیلئے رحمت بنکر آیا یعنی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسن سلوک

آنحضور ﷺ کی سربراہی میں جب مسلمانوں نے مکہ فتح کرلیا تو اس وقت آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ مکہ کی ایک ضعیف عورت سر پر ایک بھاری گٹھری لئے بھاگی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ کو اُس بوڑھی عورت پر ترس آیا کہ بڑھاپے کے باوجود اس نے سر پر گٹھری کا بوجھ لادھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ اُس بڑھیا کے قریب آئے اور اس سے وجہ پوچھی کہ وہ اتنا بوجھ سر پر اُٹھا کر کہاں جا رہی ہے؟ اُس بڑھیا نے کہا ''اے بیٹے! میں محمد ﷺ نامی ایک شخص کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جا رہی ہوں کہ کہیں وہ مجھ سے میرا مذہب نہ چھڑا دے''۔ آپ ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور اس بڑھیا سے کہا ''مائی اتنی بھاری گٹھری تو کیسے اُٹھائے گی۔ لا یہ بوجھ مجھے دے دے''۔ یہ کہہ کر آپ ؐ نے وہ گٹھری اپنے سر پر اُٹھا لی اور بڑھیا کے ساتھ چل پڑے۔ تمام راستے وہ بڑھیا محمد ﷺ کو بُرا بھلا کہتی رہی اور آپ ﷺ نہایت صبر و تحمل سے سنتے رہے۔ آخر کار بڑھیا اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے بڑھیا کی گٹھری اس کے حوالے کر کے واپسی کی اجازت چاہی۔ بڑھیا نے آنحضور ﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ''بیٹے مکہ میں محمد ﷺ آ گیا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے، اُس سے بچ کر رہنا''۔ آپ ﷺ نے بڑھیا کی بات سن کر نہایت ملائمت سے کہا ''مائی میں وہی محمد ﷺ ہوں جس کے خوف سے تو مکہ چھوڑ آئی ہے''۔ بڑھیا نے جب یہ سنا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے کہا ''بے شک آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں جو دشمنوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ بھی اچھا سلوک روا رکھتے ہیں۔

پیارے بچو! پھر وہ بڑھیا آنحضور ﷺ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنا مذہب چھوڑ کے فوراً دین اسلام قبول کر لیا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیانت

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق ؓ اپنی انصاف پسندی اور دیانتداری کے حوالے سے مشہور ہیں۔حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ بحرین سے مشکِ کستوری آیا۔کستوری ایک بے حد قیمتی خوشبو ہے جو ہرن کی ناف سے نکلتی ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ اُس وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپؓ نے فرمایا''اگر کوئی کستوری کو تول دیتا تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا''۔آپؓ کی بیوی حضرت عاقلہؓ نے آپؓ کی بات سن کر نہایت فرمانبرداری سے عرض کی''یا امیرالمومنین!اگر آپؓ حکم دیں تو کستوری کو میں تول دوں''۔حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔تھوڑی دیر گذرنے کے بعد آپؓ نے پھر کہا''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔''جواب میں حضرت عاقلہؓ نے پھر عرض کی''اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری کو میں تول دیتی ہوں۔''حضرت عمرؓ اِس بار بھی خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ نے تیسری دفعہ پھر یہی بات دہرائی''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں''۔جواب میں حضرت عاقلہ نے پھر عرض کی''اے مسلمانوں کے خلیفہ!اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری میں تول دیتی ہوں''۔اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا''اے عاقلہؓ ! مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم جب کستوری کو تولنے کے لئے ترازو کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلڑوں میں رکھو تو یہ تمہارے ہاتھوں سے لگتی رہے اور جب ہمارے حصے کی کستوری ہمیں ملے تو اس میں تمہارے ہاتھوں سے لگی ہوئی کستوری بلاتقسیم ہمارے حصے میں آ جائے۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کی بددیانتی ہو گی۔

دیکھا بچو! حضرت عمر فاروق کی دیانت داری کو۔ اگر ہمارے حکمران اور عوام آج بھی حضرت عمرؓ کی سوچ کو اپنا لیں تو پھر کسی کو کسی سے کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاضر جوابی

حضرت علیؓ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔آنحضور ﷺ کو حضرت علیؓ سے بہت محبت تھی۔حضرت علیؓ بچپن سے ہی آنحضور ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔حضرت علیؓ نے آنحضور ﷺ کی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کیا۔جب آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو یہ حضرت علی ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔اُس وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف نو برس تھی۔حضرت علیؓ نے ہر مشکل گھڑی میں آنحضور ﷺ کا ساتھ دیا۔یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت علیؓ سے خاص محبت تھی۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ جنہیں خاتون جنت بھی کہتے ہیں،کو حضرت علیؓ کے نکاح میں دے دیا۔حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ،حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے بیٹے ہیں۔آنحضور ﷺ کو اپنے ان نواسوں سے بھی بہت محبت تھی۔ہماری اسلامی تاریخ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے سنہری کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔حضرت علیؓ کی طرح ان کی اولاد نے بھی دین اسلام کی سربلندی کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے نانا حضرت محمد ﷺ کے دین کا بول بالا کیا۔بلاشبہ یہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی تربیت کا اثر تھا۔حضرت علیؓ کی تمام زندگی یعنی بچپن سے لے کر شہادت تک اسلام کے لئے وقف تھی۔حضرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علیؓ کو ہر جنگ میں آنحضور ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ان تمام جنگوں میں حضرت علیؓ نے بڑی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اسی لئے انہیں شیرِ خدا کا لقب ملا جس کا مطلب ہے" خدا کا شیر"۔ بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علی میں ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ علم اور دانائی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا،اسی لئے آپ کو" باب العلم" یعنی علم کا دروازہ کہا جاتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت علیؓ کا ہے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محفل میں صحابہ کرام بیٹھے تھے۔حضرت علیؓ آنحضور ﷺ کے بالکل پاس پہلو میں بیٹھے تھے۔حضرت علیؓ کو کیونکہ حضور ﷺ کا قرب حاصل تھا اور بچپن سے حضرت علیؓ حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اس لئے آپؓ حضور ﷺ سے کبھی کبھی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے لیکن اس مذاق میں شائستگی کا پہلو ہوتا تھا۔یہ واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔کوئی صحابی رسول،حضور ﷺ کی خدمت میں کھجور کی ٹوکری لے کر آیا۔آپ ﷺ نے وہ ان صحابہ کرام میں تقسیم کی جو آپؐ کی محفل میں شریک تھے اور کھجور کی افادیت پر روشنی ڈالی۔اس کے بعد حضور ﷺ اور تمام صحابہ کرام کھجوریں کھانے لگے۔حضرت علیؓ جو حضور ﷺ کے پہلو میں بیٹھے کھجوریں کھا رہے تھے،اچانک انہیں کچھ سوجھا کہ انہوں نے کھجوریں کھا کر ان کی گٹھلیاں آنحضور ﷺ کے سامنے اُس جگہ رکھنی شروع کردیں جہاں پر حضور ﷺ اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں رکھ رہے تھے۔سارے صحابی کھجوریں کھا کر گٹھلیوں کا ڈھیرا اپنے سامنے لگا رہے تھے جبکہ حضرت علیؓ اپنی گٹھلیاں آنحضور ﷺ کی گٹھلیوں میں رکھ رہے تھے،اس لئے حضور ﷺ کے سامنے نسبتاً گٹھلیوں کا بڑا ڈھیر تھا۔جب سب کھجوریں کھا چکے تو حضرت علیؓ نے سب کی گٹھلیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ازراہِ مذاق کہا" یہ دیکھئے کہ سب سے زیادہ کھجوریں ہم میں سے کس نے کھائی ہیں۔تمام صحابی حضور ﷺ کے سامنے لگی ہوئی بڑی ڈھیری کو دیکھنے لگے لیکن کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔حضور ﷺ جو حضرت علیؓ کی شرارت کو بھانپ چکے تھے،مسکرائے اور بڑی حاضر جوابی سے کہا" یہ بھی دیکھئے کہ کون کھجوریں گٹھلیوں سمیت کھاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہے''۔اس پر تمام صحابہ حضرت علی کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ ان کے سامنے گٹھلیوں کا ڈھیر نہیں تھا۔اب تمام صحابہ حضرت علی کی شرارت کو سمجھ چکے تھے اور سب ہنسنے لگے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سچائی

حضرت فضیل اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک مشہور ڈاکو تھے۔ وہ عرب کے صحرا میں قافلوں کو لوٹا کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ صحرا سے گذرنے والا کوئی قافلہ ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھا لیکن جیسے ہی انہوں نے اسلام قبول کیا اور سچے دل سے توبہ کی تو ان کی زندگی بدل گئی۔ ان کا دل اسلام کے نور سے روشن ہو گیا۔

حضرت فضیل کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک بار ایک قافلے نے آرام کی غرض سے صحرا میں پڑاؤ کیا۔ قافلے میں موجود ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت فضیل قافلے کو لوٹنے کی غرض سے وہاں پہنچے تو قرآن پاک کی تلاوت نے ان کے دل پر اثر کیا اور وہ تلاوت غور سے سننے لگے۔ جب انہوں ایک آیت سنی جس کا ترجمہ یہ ہے ”اہلِ ایمان کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کے خوف سے خوفزدہ ہو جائیں“۔ اِس آیت کا حضرت فضیل کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے پشیمان ہوتے ہوئے کہا ”اب وہ وقت آ چکا ہے کہ ہم اللہ کی راہ پر چل پڑیں“۔ یہ کہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ روتے روتے ان کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے، قافلے میں سے کوئی شخص کہہ رہا تھا ”کہ سنا ہے اس راستے میں فضیل ڈاکو ہے۔ لہٰذا ہمیں راستہ بدل لینا چاہیئے“۔ حضرت فضیل نے جب یہ الفاظ سنے تو انہوں نے اونچی آواز میں کہا ”لوگو! اب تم بے خوف ہو جاؤ۔ میں نے ڈاکوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں ہی فضیل ہوں اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اب اسلام قبول کرلیا ہے“۔

اس کے بعد انہوں نے جن لوگوں کو اذیتیں پہنچائیں تھیں، جن کا مال لوٹا تھا ان سے معافی مانگ لی۔ کہتے ہیں ایک یہودی نے حضرت فضیل کو معاف کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط عائد کی کہ اگر تم سامنے والی پہاڑی کو اپنی جگہ سے ہٹا دو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ حضرت فضیل نے فوراً مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ اتفاق سے خدا کا کرنا ایسا ہوا اسی وقت تیز آندھی چلنی شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہاڑی اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ یہودی نے یہ دیکھ کر اپنے دل سے حضرت فضیل کے لئے جو نفرت تھی، نکال دی اور کہا ”میں نے خود سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب تک فضیل میرا مال واپس نہیں دے گا۔ مین اُسے معاف نہیں کروں گا۔ لہٰذا تم میرے تکیے کے نیچے رکھی ہوئی اشرفیوں کی تھیلی اُٹھا کر مجھے دے دو تا کہ میرا عہد بھی پورا ہو جائے“۔ چنانچہ حضرت فضیل نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس یہودی نے ایک اور شرط رکھی کہ پہلے تم مجھے مسلمان کرو پھر میں تمہیں معاف کروں گا۔ حضرت فضیل نے کلمہ پڑھا کر اُس یہودی کو مسلمان کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اُس یہودی نے بتایا کی میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے توریت میں پڑھ رکھا تھا کہ اگر سچے دل سے توبہ کرنے والا مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو وہ سونا بن جاتی ہے اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کیا تم نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے۔ اب مجھے تمہاری اور تمہارے مذہب کی سچائی پر پورا بھروسہ ہے۔ اس لئے میں نے اسلام قبول کرلیا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذہانت

عراق میں ایک ندی کے کنارے مشہور شہر کوفہ آباد تھا۔ یہ شہر علم وادب اور تہذیب کے حوالوں سے اپنی مثال آپ تھا۔ حضور ﷺ کے عہد کے بعد بھی اس شہر میں بڑے بڑے عالم و بزرگ پیدا ہوئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک کافر جو بہت عالم فاضل تھا اور اُسے اپنے علم و فضل پر بڑا گھمنڈ تھا، کہیں سے کوفے میں آ کر رہنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کے علم و فضل کا شہرہ پورے کوفہ میں پھیل گیا۔ وہ کافر اپنی دل موہ لینے والی باتوں سے مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ ان کا ایمان کمزور کر سکے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ کوفہ کے بڑے بازار میں ایک چبوترے پر کھڑا ہو کر اپنی علمیت کی ڈینگیں مارنے لگا۔ اس نے کوفہ کے مسلمانوں سے تین سوال کئے لیکن کوئی بھی ان سوالوں کے جواب نہ دے سکا۔ اسی دوران ابوحنیفہ وہاں سے گزرے۔ آپ مکتب جا رہے تھے اور آپ کے گلے میں بستہ لٹک رہا تھا۔ امام ابوحنیفہ نے جب کافر کو شیخی بگھارتے دیکھا تو آپ رُک گئے اور کہا ''میں تیرے سوالوں کے جواب دوں گا، تو اپنے سوال کر''۔ اس ننھے طالبعلم کے حوصلے کو دیکھ کر بہت سے لوگ آس پاس جمع ہو گئے۔

کافر نے ننھے طالبعلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ بتاؤ اس وقت تمہارا اللہ کیا کر رہا ہے؟۔ طالب علم نے کہا ''پوچھنے والے سے بتانے والے کا رُتبہ بلند ہوتا ہے۔ اس لئے تم میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ پر آ جاؤ اور میں تمہاری جگہ پر"۔ کافر چبوترے سے نیچے اُتر آیا اور طالب علم نے چبوترے پر کھڑا ہونے کے بعد اونچی آواز میں لوگوں کو متوجہ کر کے کہا "اے لوگو! گواہ رہنا اس وقت اللہ تعالیٰ ایک کافر کے رتبے کو گھٹا رہا ہے اور ایک مسلمان بچے کے رتبے کو بڑھا رہا ہے"۔ ننھے طالب علم کا یہ جواب سن کر سارے مسلمان اس بچے کی دانائی پر حیران ہوئے اور واہ واہ کرنے لگے جبکہ کافر طالب علم کا یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا۔ کافر نے اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے طالب علم سے دوسرا سوال کیا کہ بتاؤ "خدا سے پہلے کیا تھا؟"۔ ننھے طالب علم نے اس سوال کے جواب میں کافر کو نو (9) سے اُلٹی گنتی گننے کو کہا۔ کافر گنتی گننے لگا۔ "نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک" اور پھر وہ چپ ہو گیا۔ طالب علم نے کہا "تم چپ کیوں ہو گئے؟، ایک سے پہلے کیا؟ کافر نے جواب دیا "ایک سے پہلے تو کچھ نہیں ہوتا، صفر ہوتی ہے"۔ طالب علم نے مسکراتے ہوئے کہا "تو بس اللہ بھی ایک ہے، اس سے پہلے کیا ہو سکتا ہے؟" کافر ابوحنیفہؒ کے اس جواب پر ہکّا بکّا رہ گیا اور دوسرے لوگ بھی اس کمسن بچے کی عقلمندی پر دنگ رہ گئے۔ پھر کافر نے طالب علم سے تیسرا سوال کیا کہ "تمہارے اللہ کا منہ کس طرف ہے؟"۔ سوال سن کر طالب علم نے ایک موم بتی منگوائی اور اُسے روشن کر کے کافر سے پوچھا "اس روشنی کا منہ کس طرف ہے؟"۔ کافر بولا "چاروں طرف"۔

طالب علم نے کہا اللہ بھی ایک نور ہے، جس سے چاروں طرف اُجالا ہے یعنی اس کا منہ بھی چاروں طرف ہے، وہ چاروں طرف دیکھ سکتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ کافر اس بچے کے جوابوں سے لاجواب ہو گیا تھا، اس کے پاس کوئی سوال نہ رہا۔ ننھے طالبعلم نے اپنی ذہانت سے کافر کی زبان بند کر دی اور وہ شرمندہ ہو کر کوفہ سے چلا گیا۔ لوگوں نے ننھے طالبعلم کو اسکی عقلمندی پر شاباش دی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عظیم حکمران

یہ واقعہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور حکومت کا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلیفہ یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ کے اپنے گھر کا ہے۔ایک دن آپؒ کے گھر کے صحن میں آپؒ کا کمسن بیٹا کھڑا رو رہا تھا۔ بچے کی ماں خلیفہ کی بیوی نے سوچا شاید بچے کو بھوک ستا رہی ہے۔اس نے اسے سینہ سے لگایا، اندر لے آئی، پیار کیا اور کھانا دیا لیکن بچہ چپ نہ ہوا اوراس کی حالت بدستور وہی رہی تو ماں کا دل بچے کی اس حالت پر تڑپ اُٹھا،اس نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ بچے سے رونے کا سبب پوچھا۔ بچے نے روتے ہوئے ماں کو بتایا ''ماں! میرا لباس جگہ جگہ سے پھٹ چکا ہے اور جہاں سے پھٹ جاتا ہے آپ وہاں پیوند لگا دیتی ہیں،اب تو میرے لباس میں اور پیوند لگانے کی جگہ بھی نہیں رہی۔ مدرسے میں میرے سارے ساتھی اچھے کپڑوں میں آتے ہیں۔ وہ میرا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے ہیں تم خلیفہ کے بیٹے ہو کر بھی اس حلیے میں مدرسے آتے ہو''۔ ماں ننھے بچے کی یہ بات سن کر بہت رنجیدہ ہوئی۔اس نے بچے کو بہلا پھسلا کر سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن بچہ نہ مانا اوراس نے کہہ دیا ''ماں! اگر آپ نے مجھے نیا لباس نہ سلوا کر دیا تو میں کل مدرسے نہیں جاؤں گا''۔اسی دوران حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گھر میں داخل ہوئے۔ بچے کی ماں نے اپنے شوہر سے کہا ''اے مسلمانوں کے خلیفہ! میں ایک بادشاہ زادی ہونے کے باوجود گھر کے سارے کام خود کرتی ہوں۔میں نے روکھا پھیکا کھا کر آپؒ کے ساتھ گذارا کیا ہے۔ ہمیشہ آپؒ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطاعت کی ہے۔آپؒ کے حکم پر اپنی دولت جائیداد اور زیورات بیت المال میں جمع کرادیے۔آپؒ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی لیکن میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ میرے لختِ جگر کو مدرسے میں اپنے پھٹے پرانے لباس کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑے،لہٰذا آپؒ آج ہی میرے بیٹے کے لئے ایک نئے لباس کا انتظام کریں۔‘‘

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل پر بیوی کی ان باتوں کا گہرا اثر ہوا،وہ بھی اپنے بچے کو نیا لباس دلوانا چاہتے تھے لیکن ان کی جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی چنانچہ آپؒ نے بیوی سے کاغذ قلم منگوایا اور بیت المال کے وزیر کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ میرے اگلے ماہ کی تنخواہ میں سے کچھ رقم پیشگی دے دو،اگلے ماہ تنخواہ سے کاٹ لینا۔کچھ دیر بعد بیت المال کے وزیر کا جوابی خط ملا جس میں لکھا تھا اے خلیفہ! آپؒ اس بات کی کیسے ضمانت دیں گے کہ آپؒ اگلے مہینے تک زندہ رہیں گے اور خلیفہ کے منصب پر فائز بھی رہیں گے۔عمر بن عبدالعزیزؒ یہ سب پڑھ کر خاموش ہو گئے۔بھلا وہ اس کی ضمانت کیسے دے سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹے کو سمجھایا کہ اگلے مہینے تنخواہ ملنے پر نیا لباس منگوا دوں گا۔

دیکھا بچو!ایک عظیم مسلمان حکمران کے حالات زندگی،سادگی اور دیانت۔کیا ہم اپنے آج کے حکمرانوں سے اس کی توقع کرسکتے ہیں؟۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیّت

پیارے بچو! امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ ایک بہت بڑے محدّث، مفسّر اور عالم دین گذرے ہیں۔انہوں نے ایک دولت مند گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ان کے والد نے ان کے لئے بہت کچھ چھوڑا تھا لیکن امام بخاریؒ کو علم حاصل کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔اسی لئے انہوں نے اپنی تمام دولت علم حاصل کرنے میں خرچ کردی۔ان کا خیال تھا کہ علم کی دولت سب سے زیادہ اہم ہے۔اس کے لٹنے یا گم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں بلکہ یہ خرچ کرنے سے کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے۔چنانچہ انہوں نے اپنی تمام دولت علم کے حصول میں صرف کردی اور اپنے دل و دماغ کو علم کے سرمائے سے بھرلیا لیکن مالی طور پر بالکل کنگال ہو گئے اور نوبت فاقوں تک آ گئی۔ان حالات میں ایک دن امام بخاریؒ نے سوچا کیوں نہ میں وہ تحائف فروخت کردوں جو مجھے دوستوں اور عقیدت مندوں سے ملے ہیں۔جب انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا تو ایک شخص جو تاجر بھی تھا اُس نے امام بخاریؒ سے عرض کی ''یا حضرت! مجھے مال دکھا دیجئے تاکہ میں قیمت لگا سکوں''۔امام بخاریؒ نے اس شخص کو تمام چیزیں دکھا دیں۔تاجر نے ان چیزوں کی قیمت پانچ ہزار درہم لگائی۔امام بخاریؒ کو رقم کی اشد ضرورت تھی اس لئے انہوں نے دل میں سوچا کہ سودا کر لوں لیکن پھر رُکے اور کچھ سوچ کر بولے'' میں یہ بات کل طے کروں گا کہ مجھے یہ تحفے فروخت کرنے ہیں یا نہیں''۔چنانچہ وہ تاجر کل دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔تاجر کے چلے جانے کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امام بخاریؒ نے اپنی ضروریات کا اندازہ لگایا اور دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنے تحائف کو اس تاجر کے ہاتھوں فروخت کردیں گے۔

اگلے دن اس سے پہلے کہ وہ تاجر آتا، ایک اور تاجر امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''میں آپؒ کے تحفے خریدنا چاہتا ہوں''۔ امام بخاریؒ نے کہا ''میں ان تحائف کا سودا طے کرچکا ہوں''۔ لیکن امام بخاریؒ کے دوستوں نے کہا ''یا حضرت! آپؒ نے سودا تو نہیں کیا تھا بلکہ اُس تاجر کو دوبارہ آنے کو کہا تھا۔ لہٰذا کوئی حرج نہیں اس تاجر کو بھی مال دکھا دیجئے ایسا کرنے سے آپؒ کو اپنی اشیاء کی مالیت کا اندازہ بھی ہو جائے گا''۔ امام بخاریؒ نے نہ چاہتے ہوئے بھی دوستوں کے کہنے پر اس دوسرے تاجر کو اپنے تحفے دکھا دیے۔ اس تاجر نے ایک ایک چیز کو اچھی طرح سے پرکھنے کے بعد ان سب کی قیمت دس ہزار درہم بتائی۔ پہلے تاجر نے انہی چیزوں کے صرف پانچ ہزار درہم لگائے تھے جبکہ یہ تاجر انہی چیزوں کو دس ہزار درہم میں خریدنے پر راضی تھا۔ صاف پانچ ہزار درہم کا فرق تھا، کوئی دو چار درہم کی بات نہ تھی امام بخاریؒ کے دوست خوش ہوئے۔ اس تاجر کو مال دینے میں امام بخاریؒ کا فائدہ تھا چنانچہ تمام دوستوں نے کہا حضرت! آپ یہ چیزیں اسی تاجر کو فروخت کریں لیکن امام بخاریؒ نے کہا ''میں یہ چیزیں اس پہلے تاجر ہی کو دوں گا''۔ سب حیران ہوئے اور وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا ''میں نے پہلے تاجر کو تحفے دکھانے کے بعد اپنے دل میں یہ طے کرلیا تھا کہ ان کو اسی تاجر کے ہاتھ فروخت کروں گا''۔

اگرچہ سودا پہلے تاجر سے طے نہیں ہوا تھا لیکن امام بخاریؒ دل میں نیت کر چکے تھے کہ تحفے پہلے تاجر ہی کو بیچیں گے، اس لئے یہ بات اب تقویٰ کے خلاف تھی کہ زیادہ دام ملنے پر وہ ان تحائف کو کسی دوسرے تاجر کے ہاتھ بیچ دیتے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے وہ تحائف پانچ ہزار درہم میں پہلے تاجر کے ہاتھوں فروخت کردیے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برتری

خلیفہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کے دو بیٹے تھے۔ایک کا نام امین اور دوسرے کا نام مامون تھا۔امین ملکہ زبیدہ کا لاڈلا جبکہ مامون خلیفہ ہارون الرشید کو بہت عزیز تھا۔ملکہ زبیدہ کو اس ناانصافی پر بادشاہ سے شکایت تھی۔

ایک دن ملکہ زبیدہ نے خلیفہ ہارون الرشید سے طنزاً پوچھا ”یا امیرالمومنین! امینؔ، مامون سے زیادہ خوبصورت، شائستہ اور ہر لحاظ سے بہتر ہے۔پھر کیوں آپ مامون کو اچھا سمجھتے ہیں،اسے امین سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور امین پر ترجیح دیتے ہیں؟“۔خلیفہ ہارون الرشید ملکہ کی بات سن کر پہلے تو مسکرائے اور پھر کہا ”اے ملکہ!اگر تم وجہ جاننا چاہتی ہو تو ٹھہرو ابھی اس کا بھید کھُل جائے گا“۔یہ کہہ کر خلیفہ نے اپنے ایک مشیر خاص کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً شہزادے امین کے پاس جاؤ اور اس سے سوال کرو کہ اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔مشیر خاص خلیفہ کے حکم کے مطابق شہزادہ امین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے امین سے سوال کیا ”اے شہزادے!اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔شہزادے امین نے کہا ”مشیر خاص میں تمہیں انعام میں مصر کی حکومت سونپ دوں گا“۔مشیر خاص نے بادشاہ اور ملکہ کے حضور پیش ہو کر شہزادے امین کا جواب پہنچا دیا۔خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بعد مشیر خاص کو حکم دیا اب شہزادے مامون کے پاس جاؤ اور یہی سوال دہراؤ پھر مامون جو جواب دے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہمیں آ گاہ کرو۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم پر مشیر نے شہزادے مامون کی خدمت میں پہنچ کر وہی سوال دہرایا جو اس نے شہزادے امین سے کیا تھا یعنی ’’اے شہزادے! اگر آپ خلیفہ بن جائیں تو مجھے کیا انعام دیں گے؟۔ شہزادہ مامون جو اس وقت کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور روشنائی کی دوات اس کے سامنے رکھی تھی، جب شہزادے نے مشیر کی یہ بات سنی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے سامنے رکھی ہوئی روشنائی کی دوات مشیر خاص کے منہ پر دے ماری اور کہا ’’اوئے بد بخت! تو مجھ سے میرے باپ کی موت کی بات کرتا ہے، خدا نہ کرے میں ان کے بعد بھی زندہ رہوں‘‘۔

مشیر خاص نے خلیفہ اور ملکہ کے روبرو پیش ہو کر جو واقعہ پیش آیا، جوں کا توں بیان کر دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ملکہ زبیدہ کی طرف دیکھ کر کہا ’’ملکہ عالیہ! اب آپ کیا کہتی ہیں‘‘ ملکہ زبیدہ نے جواب میں شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دانائی

حکیم لقمان اپنی عقلمندی اور دانائی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں ایک بار حکیم لقمان ایک ندی کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مسافر نے انہیں روک کر پوچھا ''ارے بھائی کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ میں یہاں سے شہر کتنی دیر میں پہنچ جاؤں گا؟''۔ حکیم لقمان نے مسافر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور چلتے رہے۔ مسافر نے یہ سوچ کر کہ شاید اس شخص نے میری بات سنی نہ ہو یا پھر سمجھی نہ ہو، دوبارہ اپنا سوال دہرایا ''جناب مجھے یہاں سے شہر جانے میں کتنی دیر لگے گی؟''۔ لقمان نے اس مرتبہ نہایت دھیمے لہجے میں کہا ''اپنی راہ لو''۔ مسافر نے حیران ہوتے ہوئے پھر پوچھا ''بھائی صاحب میں نے آپ سے ایک سوال کیا ہے، شاید آپ نے سنا نہیں۔ میں ایک تھکا ماندہ مسافر ہوں اور مجھے شہر جانا ہے۔ شہر یہاں سے کتنی دور ہے اور مجھے شہر تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی؟''۔

حکیم لقمان نے پھر وہی جواب دیا ''میاں میں تم سے کہہ تو رہا ہوں کہ جاؤ اپنی راہ لو''۔ مسافر لقمان کا جواب سن کر سیخ پا ہو گیا لیکن اُس نے خود پر قابو پایا اور دل میں سوچا کتنا عجیب شخص ہے مفت ہاتھ آئی نیکی پر بھی آمادہ نہیں، شاید اس کا دماغ خراب ہے۔ یہ سوچ کر مسافر نے لقمان سے کچھ نہ پوچھنے کا ارادہ کیا اور شہر کی جانب چل پڑا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ پیچھے سے حکیم لقمان کی آواز آئی ''مسافر سنو تم دو گھنٹے تک شہر پہنچ جاؤ گے''۔ لقمان کی آواز سن کر خود بخود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسافر کے قدم رُک گئے، اُسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ اُلٹے قدموں سے لقمان کے پاس آیا، اُس نے لقمان سے دریافت کیا ''بھائی! جب میں نے تم سے بار بار پوچھا کہ میں شہر کتنی دیر میں پہنچوں گا تو تم نے کوئی جواب نہ دیا اور اب جبکہ میں آپ سے مایوس ہو کر اپنی راہ پر چل دیا تو تم نے پیچھے سے صدا دی کہ میں دو گھنٹوں تک شہر پہنچ جاؤں گا، یہ کیا بات ہوئی؟''۔ لقمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اے مسافر! جب تم مجھ سے بار بار اپنا سوال دہرا رہے تھے تو اس وقت تم کھڑے تھے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہارے چلنے کی کیا رفتار ہے؟ پھر بعد میں جب تم چل پڑے تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ تم جس رفتار سے جا رہے ہو تو تمہیں شہر پہنچنے میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگ جائیں گے''۔

حکیم لقمان کی بات سن کر مسافر بڑا متاثر ہوا اور دل ہی دل میں لقمان کی دانائی کی تعریف کرتے ہوئے شہر کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھا فقیر

قدیم زمانے کی بات ہے ملک خراسان پر بخت شاہ کی حکمرانی تھی جو بے حد نیک، رحمدل اور خداترس بادشاہ تھا۔ اُسے دنیا کی ہر نعمت اور آسائش حاصل تھی لیکن اس کے باوجود وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بخت شاہ کے برعکس اس کا وزیر دلاور بہت مغرور اور بدمزاج تھا۔ اس کا تعلق ایک دولت منداور معزز گھرانے سے تھا۔ اعلیٰ حسب نسب اور دولت کی ریل پیل نے دلاور خان کا دماغ خراب کررکھا تھا۔ ان تمام خامیوں کے باوجود اس میں ایک خوبی بھی تھی جو ان تمام خامیوں پر بھاری تھی۔ وہ خوبی یہ تھی کہ وہ حد سے زیادہ عقل منداور نہایت قابل تھا۔ اس کی اسی خوبی کی وجہ سے بخت شاہ اُسے اس کی بدمزاجی کے باوجود برداشت کررہا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے بخت شاہ اسی وزیر کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوا۔ ان کے ہمراہ ایک غلام بھی تھا۔ وہ تینوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب وہ ایک صحرا سے گذر رہے تھے تو اچانک زبردست طوفان نے انہیں گھیر لیا اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کچھ دیر بعد طوفان تھما تو انہوں نے ایک دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے غلام نے اپنے سے کچھ فاصلے پر ایک جھونپڑی دیکھی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے ایک اندھا فقیر بیٹھا دکھائی دیا۔ غلام نے اس سے پوچھا اے اندھے! ''کیا اس طرف سے کوئی سوار گذرا ہے؟'' اندھے فقیر نے جواب دیا ''بھائی! مجھے تو کسی کی آہٹ سنائی نہیں دی''۔ غلام یہ سن کر آگے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر دلاور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان کا ادھر سے گذر ہوا۔اس نے دیکھا کہ ایک اندھا شخص بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔اس نے بھی پوچھا ''او فقیر کیا ادھر سے کوئی سوار گذرا ہے؟''۔فقیر نے کہا''ہاں ایک غلام جو گھوڑے پر سوار تھا کچھ دیر پہلے یہاں سے ہو کر آگے گیا ہے۔دلاور خان بھی اندھے فقیر کا جواب سن کر آگے بڑھ گیا۔کچھ ہی دیر گذری تھی اتفاق سے بخت شاہ بھی وزیر اور غلام کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آنکلا۔اُس نے جب فقیر کو دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اُتر کر فقیر کے پاس آیا اور بڑے ادب سے پوچھا''شاہ صاحب کیا آپ کو معلوم ہے ادھر سے کوئی سوار گذرا ہو؟''۔اندھے فقیر نے کہا''جی ہاں جہاں پناہ پہلے تو حضور کا غلام ادھر سے گذرا،اس کے بعد وزیر گیا ہے''۔

بادشاہ بخت شاہ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے فقیر سے پوچھا''شاہ صاحب آپ تو نابینا ہیں بھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں بادشاہ ہوں''۔اندھے فقیر نے مسکرا کر جواب دیا''عالی جاہ! آپ کے غلام نے مجھے اندھا کہا،آپ کے وزیر نے مجھے فقیر کہا اور حضور نے مجھے شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کیا۔لہٰذا گفتگو کے انداز سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ کون کیا ہے۔بخت شاہ اندھے فقیر کی باتوں سے خوش ہوا،اور اسے بہت سا انعام دے کر رخصت ہوا۔

محل پہنچ کر بخت شاہ نے غلام کو فقیر سے بدتمیزی پر سزا دی اور وزیر دلاور خان کو بلا کر اندھے فقیر سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ انسان کو اپنے سے کم تر یا چھوٹے سے بھی خوش دلی اور تہذیب سے بات کرنی چاہیے۔وزیر اپنے رویے پر بہت شرمندہ ہوا۔اس نے آئندہ کے لئے اپنی بدمزاجی اور غرور سے توبہ کر لی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توبہ

شیخ سعدی شیرازی فارسی زبان کے ایک بہت بڑے شاعر گزرے ہیں۔انہیں مبلغ اخلاقیات بھی کہتے ہیں۔''گلستان''اور''بوستان''ان کی دو مشہور کتابیں ہیں۔جن میں انہوں نے اخلاق کا پرچار کیا ہے۔ان کے بہت سے اقوال زریں زبان زد عام ہیں اور روزمرہ کی گفتگو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔بڑے بوڑھے شیخ سعدی کے پندونصائح یعنی **نصحیتیں** اپنے قصّے کہانیوں میں بیان کرتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ سعدیؒ کو حصول علم کی غرض سے شیراز سے بغداد کا سفر کرنا پڑا۔اس دور میں ریل گاڑی،موٹر کاریں یا ہوائی جہاز نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے گھوڑے،اونٹ اور ہاتھی پر سوار ہو کر جانا پڑتا تھا یا جو لوگ غریب ہوتے تھے وہ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔شیخ سعدیؒ کے پاس بھی سواری کے لئے کوئی جانور نہ تھا اس لئے وہ بھی پیدل ہی بغداد جا رہے تھے۔بغداد،شیراز سے کافی فاصلے پر تھا اور سعدی شیرازیؒ پیدل تھے۔پیدل چلتے چلتے ان کا جوتا گِھس کر ٹوٹ گیا اور ایسی حالت اختیار کر گیا کہ سعدیؒ کے لئے اُس جوتے کو پاؤں میں پہننا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ ننگے پاؤں چلنے لگے۔سفر ابھی بہت باقی تھا۔ننگے پاؤں چلتے چلتے سعدی کے پاؤں زخمی ہو گئے۔پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور پھر چلنے سے وہ چھالے پھٹنے لگے اور تکلیف بڑھنے لگی،یہاں تک کہ شیخ سعدیؒ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگے اب ان کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید چلنا دشوار ہو گیا وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے گلہ کرنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ اگر تو نے مجھے رقم دی ہوتی، میرے پاس پیسے ہوتے تو میں یوں پیدل سفر نہ کرتا، نہ ہی میرا جوتا ٹوٹتا ، نہ ہی میرے پاؤں زخمی ہوتے اور نہ مجھے یہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ ابھی شیخ سعدیؒ بیٹھے یہی سوچ رہے تھا کہ اُنہیں ایک معذور شخص دکھائی دیا جس کے دونوں پاؤں سرے سے تھے ہی نہیں اور وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دھڑ کی مدد سے زمین پر بیٹھ کر خود کو گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ سعدیؒ نے جب یہ منظر دیکھا تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں، میں کھڑا بھی ہو سکتا ہوں، چل بھی سکتا ہوں۔ کیا ہوا جو میرے پاس رقم نہیں، سواری کا جانور نہیں یا جوتے نہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! تیرا لاکھ لاکھ شکر میرے دونوں پاؤں سلامت ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی سعدیؒ نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔

دیکھا بچو! سعدیؒ کو اپنی غلطی کا کس طرح احساس ہوا۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ انسان کو ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وقتی طور پر کوئی پریشانی یا مصیبت آ جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا گلہ نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس

یہ خواجہ نظام الملک طوسی کا واقعہ ہے جو اپنی رحمدلی، ہمدردی، پرہیزگاری اور انصاف پسندی کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد میں کوتاہی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔وہ خود بھی یہی کوشش کرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

خواجہ نظام الملک طوسی کی یہ عادت تھی کہ کھانے پینے کی جو چیز ان کے سامنے آتی اُسے وہ خود کھانے سے پہلے اپنی محفل میں موجود تمام حاضرین میں تقسیم کرتے اور آخر میں اگر بچ جاتی تو خود کھا لیتے۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک غریب کسان ان کی خدمت میں ایک خربوزہ لے کر آیا۔خواجہ نظام الملک طوسی نے کسان سے خربوزہ لے کر اُسے کاٹا اور اپنی عادت کے برخلاف تمام حاضرین محفل کو نظرانداز کر کے اس خربوزے کو نہایت رغبت سے کھانے میں مشغول ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سارا خربوزہ خود ہی کھا لیا اور خربوزہ لانے والے غریب کسان کو بہت سا انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔نظام الملک طوسی کی محفل میں بیٹھے تمام لوگ اس واقعہ پر حیران تھے کہ اس سے پہلے تو کبھی نظام الملک طوسی نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن حاضرین میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرتا۔جب محفل برخاست ہوئی تو خواجہ نظام الملک طوسی کے ایک قریبی دوست سے نہ رہا گیا اور اُس نے خواجہ نظام الملک سے پوچھ ہی لیا ”یا خواجہ!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کھانے کی کوئی چیز آپ کے سامنے آئی ہو اور آپ نے اسے پہلے حاضرین میں تقسیم نہ کیا ہو لیکن آج اس کے برعکس آپ نے خربوزہ کسان سے لیتے ہی اسے بڑی رغبت سے خود ہی کھا لیا، حاضرین نے اس بات کو محسوس کیا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟''۔ خواجہ نظام الملک نے اپنے اس دوست کو بتایا کہ جب میں نے خربوزہ لوگوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے کاٹا تو مجھے محسوس ہوا خربوزہ کڑوا ہے اور جب میں نے اسے چکھا تو خربوزہ واقعی انتہائی کڑوا نکلا۔ اگر میں وہ کڑوا خربوزہ لوگوں میں تقسیم کر دیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ لوگ خربوزے کی تلخی کا اظہار کر دیتے یا اُسے منہ سے اگل دیتے اور اس سے غریب کسان کی دل شکنی ہوتی، کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے وہ سارا خربوزہ خود کھا لیا۔ نظام الملک طوسی کا وہ دوست ان کی بات سے بہت متاثر ہوا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشورہ

سلطام محمود غزنوی کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا تو ایک عظیم انقلاب کے ذریعے سلجوقیوں کی حکومت قائم ہوئی جس سے اسلامی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ پہلے سلجوقیوں نے خراسان کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ایران وعراق پر سلجوقیوں کی مضبوط حکومت قائم ہوگئی۔ سلجوقی بادشاہوں نے مسلمانوں کوان کا کھویا ہوا وقار دلایا۔ ان سلجوقی حکمرانوں میں طغرل بیگ، الب ارسلان، سلطان سنجر اور ملک شاہ سلجوقی کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہ واقعہ ملک شاہ سلجوقی کے دورِ سلطنت کا ہے کہ ایک دن ملک شاہ سلجوقی کے دائیں پاؤں میں اچانک موچ آ گئی۔ وہ تکلیف کی شدت سے بہت پریشان تھا اور اس تکلیف کی وجہ سے حکومتی امور انجام دینے کے قابل نہ رہا۔ دربار کے تمام امیر اور وزیر حکومت کے کام رُک جانے اور بادشاہ کے پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے پریشان تھے۔

ایک وزیر کے کہنے پر سلطان ملک شاہ سلجوقی نے اپنے ایک خاص اور ماہر حکیم عمر خیام کو ایک خط لکھوایا کہ میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے اور میں سخت تکلیف میں ہوں جس کی وجہ سے سلطنت کے تمام امور رُک گئے ہیں اس لئے تم فوراً دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ عمر خیام جو نہ صرف ایک حکیم تھا بلکہ مشہور منجم، ریاضی دان اور بلند پایہ شاعر بھی تھا، اس وقت ریاضی کے کسی پیچیدہ مسئلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اُلجھا ہوا تھا وہ فوراً دربار میں ملک شاہ سلجوقی کے علاج کی غرض سے نہیں جاسکتا تھا، دوسری طرف وہ بادشاہ کی ناراضگی سے بھی خوفزدہ تھا۔ چنانچہ وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے کہ اُسے دربار میں بھی نہ جانا پڑے اور بادشاہ بھی ناراض نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے اپنی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے جواب میں ملک شاہ سلجوقی کو لکھ بھیجا ''بادشاہ سلامت! امور سلطنت کی انجام دہی میں آپ پاؤں کی بجائے سر کو استعمال کریں۔ ایسا کرنے سے آپ سلطنت کے کام بھی سرانجام دے سکیں گے اور آپ کے پاؤں کا علاج بھی ہو جائے گا۔

دیکھا بچو! حکیم عمر خیام نے اپنی دانشمندی سے بادشاہ کو کیسا مشورہ دیا۔ ملک شاہ سلجوقی کو عمر خیام کا مشورہ اچھا لگا اور اُس نے اس پر عمل کیا تو پھر امورِ سلطنت بھی انجام دینے لگا اور پاؤں کی تکلیف سے بھی نجات مل گئی۔

☆☆☆

تمت بالخیر